مے باندازہ حرام آمدہ۔ ساقی برخیز　　　شیشہ خود بشکن بر سر پیمانۂ ما

برخلاف عقل و شرع کے کہتا ہے کہ اے ساقی شراب اعتدال کے ساتھ پینی حرام ہے تو اٹھ اور اپنا شیشہ یعنی بوتل یا صراحی ہمارے گلاس پر دے مار اس شعر میں افراط شوق کی تصویر کھینچی ہے خواہ کسی چیز کا شوق ہو جب کسی چیز کی طلب اور خواہش حد سے گذر جاتی ہے تو اس بات کی حس نہیں رہتی کہ اپنے ظرف کے موافق اُسکی خواہش کیجائے جب پانی کی پیاس نہایت شدت سے ہوتی ہے تو پیاسا دریا کو دیکھکر یہ چاہتا ہے کہ سارے دریا کو پی جاؤں بس گو کہ مضمون شعر شراب کی تمثیل میں بیان کیا گیا ہے لیکن اُسکا مصداق ہر چیز کا مشتاق قرار پا سکتا ہے۔

مو برآید ز کفِ دست اگر دہقاں را　　　نیست ممکن کہ کشد ریشہ سر از دانۂ ما

ظاہر ہے کہ انسان کی ہتیلی میں بال پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھی گئی۔ کہتا ہے کہ اگر کاشتکار کی ہتیلی میں بال بھی نکل آئیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ ہمارا دانہ پھوٹ کر اُس میں سے ریشہ نکل آئے یعنی ہماری کوششوں کا مشکور ہونا محال ہے۔

خراہیم و رضایش در خرابیہای ما باشد　　　ز چشم بد نگہدار و خدا ما دوستکاماں را

خراب۔ مست، ویران، اور تباہ، تینوں معنوں میں آتا ہے۔ دوستکام وہ شخص جسکی حالت دوستوں کی خواہش کے موافق ہو، یعنی عمدہ حالت ہو۔ کہتا ہے کہ ہم خود بھی خراب ہیں اور دوست کی خوشی بھی یہی ہے کہ خراب حال رہیں پس ہم دوستکاموں کو جنکی حالت دوست کی مرضی کے موافق ہے خدا تعالے نظر بد سے محفوظ رکھے۔

بسا افتادہ۔ سرمست و بسا افتادہ در طاعت　　　تو دانی تا بہ لطف از خاک برداری کداماں را

عالم آئینۂ راز است چہ پیدا چہ نہاں　　　تاب اندیشہ نداری بہ نگاہے دریاب

یعنی اگر تو سوچ نہیں سکتا تو نگاہ ہی سے عالم کو دیکھ کہ اُسکا ظاہر اور باطن سب مظہر اسرار الٰہی ہے۔

فرصت از کف مدہ و وقت غنیمت پندار　　　نیست گر صبح بہاری شب ماہے دریاب

گر پس از جور بہ انصاف گراید چہ عجب　　　از حیا روے بما گر ننماید چہ عجب

کہتا ہے کہ ظلم و ستم کے بعد اگر وہ انصاف کی طرف مائل ہو جائے تو کچھ عجب نہیں یعنی اپنے پچھلے ظلم یاد کر کے حیا سے ہمکو منہ نہ دکھلائے تو کچھ تعجب نہیں مطلب یہ کہ انصاف بھی کریگا تو اس طرح کریگا کہ ہم اُسکے دیکھنے سے محروم رہیں۔

بود ش از شکوہ خطر ورنہ سر ی داشت بمن　　　بمزارم اگر از مہر بیاید چہ عجب

خیالی پلاؤ پکاتا ہے تاکہ اسی طرح اپنے دل کو تسکین دے۔

با چنیں شرم کہ از ہستیِ خویشش باشد　　　غالب از رخ بر ہِ دوست نساید چہ عجب

یعنی اس شرم سے کہ اپنے تیئں غلطی سے موجود سمجھ رہا ہے اگر غالب خدا کے آگے سجدہ نہ کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

حق جلوہ گر ز طرز بیانِ محمد است　　　آرے کلامِ حق بزبانِ محمد است

آئینہ دار پرتوِ مہر است ماہتاب　　　شانِ حق آشکار ز شانِ محمد است

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است　　　اما کشادِ آں ز کمانِ محمد است

دانی اگر بمعنیِ لولاک وا رسی　　　خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد است

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد　　　سوگندِ کردگار بجانِ محمد است

واعظ! حدیثِ سایۂ طوبیٰ فروگذار کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ است
بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را کاں نیمہ جنبشی ز بنانِ محمدؐ است
ور خود ز نقشِ مُہرِ نبوت سخن رود آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است
غالبؔ ثنای خواجہ بہ یزداں گذاشتیم کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

یہ غزل مرزا نے اپنی عام طرز کے خلاف نہایت صاف اور بلیغ لکھی ہے۔ راقم نے مرزا کی زندگی ہی میں اس غزل کی تخمیس کی تھی اور مرزا صاحب کو بھی دکھائی تھی۔ چونکہ وہ تخمیس اتبک شائع نہیں ہوئی اسلئے مقتضائے مقام یہ ہے کہ اسکو بھی اس غزل کے ساتھ نقل کر دیا جاے۔

اعجاز از خواصِ لسانِ محمدؐ است عین الحیوٰۃ گم بہ دہانِ محمدؐ است
گر نور و گر ہُدے کہ ازانِ محمدؐ است حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ است

دانی ز پیشِ چشمِ تو برخیزد ار حجاب کز نورِ شمع پردۂ فانوس راست تاب
باشد ظہورِ روشنیِ عارض از نقاب آئینہ دارِ پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است

لطفِ خداست گر بکسے نیاد دوست قہرِ خداست چوں ز سرِ کیں بحملہ جست
داند کسیکہ شد ز رمے مارمیت مست تیرِ قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است
آما کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ است

گوئی اگر بعالمِ ادراک وارسی بینی اگر بہ دیدۂ دراک وارسی

سنجی اگر بمرتبۂ خاک وارسی دانی اگر بمعنی لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است ازانِ محمدؐ است

شاہد بقتلِ عاشق و عاشق بجاں خرسند مجنوں بپائے لیلیٰ و لیلیٰ بفرقِ خود
مومن بآلِ احمد و آلش بروحِ جد ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ است

اے خامہ وصفِ قامتِ معشوق کم نگار اے دل سخن ز راستِ قد درمیاں میار
قمری! ز ذکرِ سرو نفس را نگاہ دار واعظ! حدیثِ سایۂ طوبیٰ فروگذار
کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ است

حکمش بمہر و ماہ رواں است چوں قضا دیدی کہ بازگشتنِ خورشید بر قفا
بودہ است بر اشارۂ ابروی مصطفیٰ بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ است

آنجا کہ از مناقبِ عترت سخن رود وز آل و از صحابہ و است سخن رود
واں کا ینہمہ ز ختمِ رسالت سخن رود ور خود ز نقشِ مُہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

ہمت بمدحِ شہ من و حالی گماشتیم گفتیم و از نگاشتنی ہا نگاشتیم
چوں کام و لب فراخورِ وصفش نداشتیم غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

شوخی — بخود بوقتِ ذبح تپیدن گناہ من ۔۔۔ دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

شوخی — یا واز عدو نیارم وانیہم زدوربینی ست ۔۔۔ کاندر دلم گذشتن بادوست ہمنشینی ست

کہتا ہے میں جو رقیب کا خیال دل میں نہیں لاتا یہ دوربینی کی بات ہے کیونکہ میرے دل میں ہر وقت دوست رہتا ہے اگر رقیب کا خیال دل میں آئیگا تو گویا رقیب دوست کے ساتھ ہمنشیں ہوجائیگا ۔

شوخی — من سوی او بہ بینم داند زبیحیائی ست ۔۔۔ او سوی من نہ بیند دانم زشرمگینی ست

عاشقانہ — چہ فتنہ ہا کہ در اندازۂ گمانِ تو نیست ۔۔۔ قیامت است - دلِ دیر مہربانِ تو نیست

عاشقانہ — رواں فدای تو! نامِ کہ بُردۂ ناصح؟ ۔۔۔ زہے لطافتِ ذوقیکہ دربیانِ تو نیست

چونکہ ناصح ترکِ عشق کی نصیحت کرتا ہے اس لئے معشوق کا نام عاشق کے سامنے اچھی طرح نہیں لیتا ۔ شاعر ناصح کی طرف خطاب کرکے کہتا ہے کہ میری جان تجھپر قربان ہو! تونے کسکا نام لیا؟ وہ کیسی لطافت اور لذت ہوگی جو کہ تیرے بیان میں نہیں ہے؟ یعنی جس طرح اُسکا نام لینا چاہئے تھا اگر اُس طرح تو بھی وہ نام لیتا تو کیسی لطافت اور لذت تیرے بیان میں ہوتی ۔ مگر چونکہ ناصح نے بُری طرح سے اُسکا نام لیا تھا - اِس لئے کہتا ہے کہ وہ کیسی لطافت ہوگی جو تیرے بیان میں نہیں ہے ۔

عاشقانہ — دل از خموشیِ لعلت امیدوار چراست ۔۔۔ چہ گفتۂ بزبانے کہ در دہانِ تو نیست

معشوق نے مُنھ سے کچھ نہیں کہا مگر اُسکی نگاہ یا تبسم یا کسی اور ادا سے اُسکے التفات یا وصل کی امید بندھی ہے پس کہتا ہے کہ تیرے لعلِ لب کی خاموشی سے میرا دل اس قدر کیوں امیدوار ہے تونے اُس زبان سے جو تیرے مُنھ میں نہیں ہے کیا کہدیا ہے جس سے اُسکو امید بندھی ہے ۔

عاشقانہ — گمانِ زیست بود بر منت زبیدردی ۔۔۔ بد است مرگ و لے بدتر از گمانِ تو نیست

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیمِ بلاست ۔۔۔ قعرِ دریا سلسبیل و روی دریا آتش ست

دوسرے مصرع میں عرفی کے مضمون کو اُلٹا ہے ۔ اُسنے - اِس لحاظ سے کہ دریا کے اوپر کی سطح سے راحت حاصل ہوتی ہے اور دریا کی تہ میں پہنچنے سے وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو آگ میں جل جانے سے ہوتا ہے - یوں کہا تھا ،، روی دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتش ست ،، مرزا کہتے ہیں کہ بلا کا خوف خود بلا سے زیادہ سخت ہوتا ہے ۔ چنانچہ دریا میں انسان جبھی تک بیچین رہتا ہے جب تک کہ ڈوب جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جب ڈوب گیا پھر کچھ بھی بے چینی باقی نہیں رہتی ۔ پس یوں کہنا چاہیے کہ ،، قعرِ دریا سلسبیل و روی دریا آتش ست ،،

پاک خور امروز و زنہار از پےِ فردا منہ ۔۔۔ در شریعت بادہ امروز آب و فردا آتش ست

جو لوگ شرابِ طہور کی امید پر دنیا میں شراب نہیں پیتے وہ گویا جو شراب آج نہیں پیتے اُسکو کل کیلئے رکھ چھوڑتے ہیں ۔ پس اُن سے کہتا ہے کہ ،، پاک خور امروز ،، یعنی سب آج ہی نبیڑ دے اور کل کیلئے مت رکھ! کیونکہ شریعت میں شراب آج تو پانی ہے اور کل وہی آگ ہوجاوے گی ۔

تصوف — زوہم نقشِ خیالی کشیدۂ ورنہ ۔۔۔ وجودِ خلق چو عنقا بدہر نایاب است

تصوف — قوی فتادہ چو نسبت - ادب مجو غالب ۔۔۔ ندیدۂ کہ سوی قبلہ پشتِ محراب است

یعنی جب تعلق اور نسبت قوی ہوجائے تو پھر آدابِ ظاہری کی توقع رکھنی چاہئے ۔ دیکھو! قبلہ کی طرف پشت کرنا ہر ایک کے لئے خلافِ ادب ہے! مگر محرابِ مسجد جسکو قبلہ سے نہایت مضبوط تعلق ہے - اُسکی پشت ہمیشہ قبلہ ہی کی طرف رہتی ہے ۔

ہرچہ فلک نخواستہ است ہیچکس از فلک نخواست ۔۔۔ ظرفِ فقیہ نے نہ جست بادۂ ناگزک نخواست

بحث و جدال بجای ماں۔ بیکدہ جوی کاندراں   کس نفس از جمل نزد کس سخن از فدک نخواست

بجاے ماں بمعنی بجاے دا ریعنی بحث و جدال کو یونہیں رہنے دے اور میخانے میں جاکر وہاں نہ جمل کا جھگڑا ہے نہ فدک کا قصہ ہے جمل سے مراد جنگ جمل ہے جسمیں حضرت عائشہ جمل یعنی اونٹ پر سوار ہوکر حضرت امیر سے لڑنے گئی تھیں۔ فدک ایک کھجوروں کا باغ تھا جسپر حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرا نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں وراثت کا دعوے کیا تھا یہ دو تو جھگڑے منجملہ اُن بیشمار نزاعوں کے ہیں جسپر سنی شیعوں میں ہمیشہ سر پھٹول رہتی ہے۔

دل جلوہ میدہد ہنر خود در انجمن   رحمے مگر بجانِ حسودش نماندہ است

یعنی جب تک میں اپنے تئیں چھپاتا تھا حاسدوں کو کچھ آزار نہیں پہنچتا تھا اب علی الاعلان اپنے ہنر ظاہر کرنے لگا ہوں گویا اب حاسد کی جان پر رحم باقی نہیں رہا۔

غالب باں بریدہ و آگندہ گوش نیست   آنا دماغ گفت و شنودش نماندہ است

بلبل بدولت بنالۂ خونیں بہ بند نیست   آسودہ زی کہ یار تو مشکل پسند نیست

یعنی اے بلبل تو اپنے نالۂ خونیں کے سبب ضیق میں نہیں ہے، جب چاہتی ہے نالہ کرتی ہے۔ بس تو آرام سے زندگی بسر کر کہ تیرا یار یعنی گل مشکل پسند نہیں ہے۔ بخلاف ہمارے کہ ہمکو رونے اور فریاد کرنے کی بندی ہے، حالانکہ نالۂ خونیں سے دل بھرا ہوا ہے۔

بیخود بزیر سایۂ طوبے غنودہ اند   شبگیر رہروانِ تمنا بلند نیست

یعنی جو لوگ امانی و آمال کے پھندے میں گرفتار ہیں اُنکا سفر کچھ لمبا چوڑا نہیں ہے اُنکا منتہاے مقصود طوبے کے سایہ میں آرام کرنا ہے۔

اختری خوشتر از نیم بجہاں می بایست   خرد پیر مرا بخت جواں می بایست

تا تنک مایہ بدریوزہ خود آرا نشود   نرخ پیرایۂ گفتار گراں می بایست

گفتم بروزگار سخنور چو من بسی ست   گفتند اندریں کہ تو گفتی سخن بسی ست

مشکیں غزالہا کہ نہ بینی بہیچ دشت   در مرغزارہاے خطا و ختن بسی ست

در صفحۂ نبودم ہمہ آں چہ در دل ست   در بزم کمتر ست گل و در چمن بسی ست

در از دستی من چاکے ار فگند چہ عیب   ز پیش دلق ورع باہزار پیوند است

نگفتہ کہ بہ تلخی لبا ز و پند پذیر   برو کہ بادۂ ما تلخ تر ازیں پند است

یہ خطاب ناصح کی طرف ہے۔

اگر نہ بہر من۔ از بہر خود عزیزم دار   کہ بندہ۔ خوبیِ او خوبیِ خداوند است

در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوئیم   با ما سخن از طوبی و کوثر نتواں گفت

یعنی ہمکو آگے جانے کی جلدی ہے ہم سایہ و سرچشمہ یعنی طوبی اور کوثر پر آرام نہیں لے سکتے

آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است   بر دار تواں گفت بمنبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا   مومن نہ بود غالب و کافر نتواں گفت

گفتم ز کہ پرسم اثر عمر گذشتہ   ساقی بقدح بادۂ دہ سالہ فرو ریخت

در قالب ملّا اثر ش پردہ کشا شد   خاکے کہ قضا در تن گو سالہ فرو ریخت

گر منافق۔ وصل ناخوش در موافق۔ ہجر تلخ   دیدہ وا غم کرد روے دوستاں دیدن خدا است

یعنی دوستوں کا منھ دیکھنا اور اُنسے تعارف پیدا کرنا نہیں چاہیئے تھا، کیونکہ جو منافق ہیں اُنکا ملنا ناگوار ہے

اور جو موافق ہیں اُن کی جدائی تلخ ہے۔

بُرد آدم از امانت ہر چہ گردوں بر نتافت　　　ریخت مے برخاک چوں در جام گنجیدن نماند

یعنی بارِ امانت میں سے جو کچھ آسمان سے نہ اُٹھ سکا وہ انسان نے اُٹھایا گویا جب شراب جام میں نہ سما سکی تو خاک پر گر پڑی۔ خاک کا لفظ انسان کے لئے اور جام آسمان کے لئے کس قدر مناسب واقع ہوا ہے۔ اور بارِ امانت جو انسان پر ڈالا گیا اُسکی تشبیہ اُس شراب سے جو پیالہ چھلکنے سے زمین پر گر پڑے کیسی لطیف و پاکیزہ تشبیہ ہے !!

بدیں نیاز کہ با تست۔ نازمی سدم　　　گدا بسایۂ دیوار پادشا خفت ست

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز　　　گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفت ست

عسس بخانہ و شہ در حرم سرا خفت ست　　　غمت بہ شہر شبیخوں زناں بہ بنگہِ خلق

یعنی کوتوال اپنے گھر میں اور بادشاہ حرم سرا میں آرام کرتے ہیں۔ انھیں کیا خبر ہے کہ تیرا غم یعنی عشق شہر میں خلقت کے گھروں پر شبخوں مار رہا ہے۔

دلم بہ سبحہ و سجادہ و ردا لرزد　　　کہ دزد در مرحلہ بیدار و پارسا خفت ست

کہتا ہے کہ پارسا یعنی زاہد تو اس گھمنڈ میں کہ میں عبادت میں مصروف ہوں غافل ہے اور دزد مرحلہ جو منزلگاہ میں لگا ہوا ہے یعنی نفسِ اماره جاگ رہا ہے، یعنی تاک میں بیٹھا ہے۔ پس مجھے سبحہ و سجادہ و ردائے زاہد کی خیر نہیں معلوم ہوتی، اسلئے میرا دل کانپ رہا ہے۔

ببیں ز دور و مجو قربِ شہ کہ منظر را　　　دریچہ باز و بدروازہ اژدہا خفت ست

قربِ درگاہِ الٰہی میں جو مشکلات و خطرات ہیں اُنکو بیان کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ دور ہی سے دیکھ لے

اور قُرب کا طالب نہو۔ اگرچہ منظر کے پٹ کھُلے ہوئے ہیں مگر دروازے پر اژدہا سوتا ہے۔

براہ خفتنِ ما ہر کہ بنگرد داند　　　کہ میرِ قافلہ در کارواں سرا خفت ست

کہتا ہے کہ میں منزل پر پہنچنے سے پہلے راہ ہی میں ایسا غافل و بے خبر سوتا ہوں جیسے کہ کارواں سالار منزل پر پہنچکر آرام سے پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہے۔

دگر ز ایمنیِ راہ و قربِ کعبہ چہ حظ　　　مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفت ست

قفس و دام را گناہے نیست　　　ریختن در نہادِ بال و پر است

نہاد۔ جبلّت کو کہتے ہیں۔ قفس اور دام دونو جانور کے لئے تکلیف اور اذیت کے مقام ہیں جہاں اکثر جانور تڑپ تڑپ کر مرجاتا ہے اور اُسکے بال و پر گر جاتے ہیں۔ یہاں قفس اور دام سے دنیا اور اُسکی تکلیفات مراد ہیں۔ کہتا ہے کہ قفس اور دام پر کچھ الزام نہیں ہے بال و پر گرنے ہی کے لئے بنے ہیں اور جاندار مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔

ریزد آں برگ و ایں گل افشاند　　　ہم خزاں ہم بہار در گذر است

یعنی خزاں اور بہار دونوں رفتنی ہیں، اسمیں پتے جھڑتے ہیں تو اِسمیں پھول جھڑتے ہیں۔

بے تو گر زیستہ ام سختیِ ایں درد بسنج　　　بگذر از مرگ کہ وابستہ ہنگامی ہست

یعنی موت کے لئے تو ایک وقت معین ہے اُس سے قطع نظر کر اور یہ خیال مت کر کہ اب تک مرا کیوں نہیں، بلکہ یہ دیکھ کہ اب تک زندہ کیونکر رہا اور کیونکر جدائی کے رنج اور تکلیف کو برداشت کیا۔

کیست در کعبہ کہ رطلے ز نبیدم بخشد　　　در گروگاں طلبد جامۂ احرامے ہست

رطل پیمانۂ شراب۔ نبیذ۔ شراب۔ گروگاں وہ شے جسکو گرو رکھیں۔ جامۂ احرام وہ بن سلا کپڑا

جو مناسکِ حج کے ختم ہونے تک حاجی پہنے رہتے ہیں۔

نہ بر جستہ شرار و نہ بجا ماندہ رماد سوختم۔ لیک ندانم بچہ عنوانم سوخت

رماد۔ راکھ۔ پہلا سوختم لازمی۔ دوسرا سوختم متعدی۔ کہتا ہے میں جل تو ضرور گیا مگر معلوم نہیں اُسنے کس طرح مجھے جلا دیا؛ نہ کوئی پتنگا اُڑا اور نہ راکھ باقی رہی۔

با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام داند کہ حور و کوثر و دار السلام چیست

دوست کو حور سے۔ بادہ کو کوثر سے۔ اور خلوت کو دار السلام یعنی جنت سے تشبیہ دی ہے۔

دلخستہ غمیم و بود مئے دوائے ما باخستگاں حدیثِ حلال و حرام چیست
یعنی بیماران و معذوران

از کاسۂ کرام نصیب است خاک را تا از فلک نصیبۂ کاسِ کرام چیست

نیکی ز تست از تو نخواہیم مزدِ کار ور خود بدیم کارِ تو ایم انتقام چیست

یعنی اگر ہمنے نیکی کی ہے تو وہ تیری ہی طرف سے ہے اُسکی اُجرت ہم نہیں چاہتے اور اگر ہم بد ہیں تو تیرا فعل یعنی تیرے بنائے ہوئے ہیں پھر سزا کس لئے ہے۔

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت پرسد چرا کہ نرخِ مئے لعل فام چیست

یعنی غالب کے گھر میں صرف ایک پرانا خرقہ اور ایک مصحف تھا اور کچھ نہ تھا پس اُسنے اُنکو اگر بیچ نہیں دیا تو شراب کا بھاؤ کیوں پوچھتا پھرتا ہے بہم فروخت کے لفظ میں یہ شوخی رکھی ہے کہ اگر دونو کو ایک ساتھ نہ فروخت کیا ہوگا تو شراب کی قیمت نہ ادا ہو سکیگی۔

لطفِ خدائے۔ ذوقِ نشاطش نمیدہد کافر دلے کہ با ستمِ دوست خو گرفت

یعنی وہ کافر دل جو معشوق کے ظلم سہنے کا عادی ہو اُسکو خدا کی مہربانی میں بھی مزا نہیں آتا۔ نظامِ

یہ ایک شاعرانہ شوخی معلوم ہوتی ہے؛ مگر درحقیقت یہ ایک فیکٹ ہے جو ہوا و ہوس کے کوچے میں ہمیشہ گذرتا رہتا ہے۔ بوالہوس لوگ سب ذلتیں گوارا کرتے ہیں؛ جدائی کے صدمے، رشک کی جلن، ذلت و بے آبروئی، معاشیق کی بے التفاتی و بے اعتنائی وغیرہ سب کچھ سہتے ہیں مگر ہوا و ہوس سے باز نہیں آتے؛ اور پارسائی و عفت کا طریقہ جو باعثِ خوشنودیٔ خدا ہے اُسکو اختیار نہیں کر سکتے۔

رضواں چو شہد و شیر بغالب حوالہ کرد بے چارہ باز داد و مئے مشکبو گرفت

رموزِ دیں نشناسم درست و معذورم نہادِ من عجمی و طریقِ من عربی ست

یعنی میں پیدا تو عجم میں ہوا ہوں اور میرا مذہب عربی ہے پس اگر اصولِ مذہب سے واقف نہوں تو مجھکو معذور سمجھنا چاہئے۔

نشاطِ جم طلب از آسمان نہ شوکتِ جم قدح مباش ز یاقوت بادہ گر عنبی ست

دوسرا مصرع مثال ہے پہلے مصرع کے مضمون کی۔ یعنی انگوری شراب چاہئے جس سے جمشید کا سا عیش حاصل ہو یاقوت کا پیالہ جس سے جمشید کی سی شاہانہ شوکت ظاہر ہو اگر نہ میسر ہو تو نہ سہی۔

ہر آنچہ در نگری جز بجنس مائل نیست عیار بیکسیِ من شرافتِ نسبی ست

یعنی جسکو دیکھئے اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔ چونکہ شرافتِ نسب میں کوئی میرا مثل نہیں ہے اسلئے میری طرف کوئی مائل نہیں ہے؛ اور یہی میری بیکسی کی وجہ ہے۔

نشاطِ معنویاں از شرابخانۂ تست فسونِ بابلیاں فصلے از فسانۂ تست

اس تمام غزل میں معشوقِ حقیقی کی طرف خطاب ہے۔

تصوف — بجام و آئینہ حرفِ جم و سکندر چیست — کہ ہر چہ رفت بہر عہد در زمانۂ تست

یعنی یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ جامِ جہاں نما جمشید کے عہد میں تھا اور آئینہ سکندر کے عہد میں کیونکہ جو کچھ جس زمانے میں گذرا وہ تیرے ہی زمانے میں تھا۔

تصوف — ہم از احاطۂ تست اینکہ در جہان ما را — قدم بہ بتکدہ و سر بر آستانۂ تست

یعنی تو جو تمام عالم پر محیط ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہیں تو بتکدہ میں۔ مگر ہمارا سر تیرے آستانے پر ہے

تصوف — سپہر را تو بتاراجِ ما گماشتۂ — نہ ہر چہ دزد زما برد در خزانۂ تست؟

یعنی کیا یہ بات نہیں کہ جو کچھ لٹیرا ہم سے لوٹ کرلے گیا ہے وہ تیرے خزانے میں موجود ہے؟

تصوف — مرا چہ جرم گر اندیشہ آسمان پیماست — نہ تیزگامیِ توسن ز تازیانۂ تست؟

اس شعر میں ضمناً اپنے خیال کی بلند پروازی کا اظہار ہے، اور اصل مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ یعنی اگر میرا خیال اپنی حد سے تجاوز کرکے عالمِ بالا کے اسرار و غوامض میں دخل دیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے؟ تیرے تازیانے نے گھوڑے کو تیز رفتار کر دیا ہے

تصوف — شبابِ زہد! چہ ناقدردانیِ ہستی ست — بلا بجانِ جوانانِ پارسا ریزد

آخرِ منزلِ نخست خوی تو راہ میزند — اولِ منزلِ دگر بوی تو زاد میدہد

یعنی سالک جب تیری راہ میں قدم رکھتا ہے اور پہلی منزل قریب ختم ہونے کے ہوتی ہے تو سخت سخت مشکلات اور امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جاتا ہے اور دوسری منزل شروع ہوتی ہے تو لذتِ قرب حاصل ہونے لگتی ہے جو مثل زادِ راہ کے آگے بڑھنے کی

ہمت بندھواتی ہے۔

تصوف — اے کہ بدیدہ نم زتست و یکہ بسینہ غم زتست — تا زرشِ غم کہ ہم زتست خاطرِ شاد میدہد

تصوف — مستِ عطای خود کند ساقیِ ما نہ مستِ مے — دادہ ز یاد مے برد بسکہ زیاد میدہد

یعنی ہمارا ساقی شراب سے مست نہیں کرتا بلکہ اپنی عطا و بخشش سے مست کرتا ہے چونکہ وہ ہر دفعہ پہلے سے زیادہ دیتا ہے اس لئے پہلا دیا ہوا بھول جاتے ہیں اُسکے احسان کے نشے پر شراب کا نشہ غالب نہیں آنے پاتا۔

اخلاق — دل اسبابِ طرب گم کردہ در بندِ غمِ نان شد — زراعتگاہِ دہقان میشود چون باغ ویران شد

یہ مضمون مرزا کے حسبِ حال ہے اور عموماً مسلمانوں کی حالت پر صادق آتا ہے اوّل عیش و عشرت اور پھر نون تیل لکڑی کی فکر زراعت اور باغ کی مثال کس قدر مثل کے مطابق واقع ہوئی ہے۔

زبا گرم است این ہنگامہ بنگر شورِ ہستی را — قیامت می دمد از پردۂ خاکے کہ انسان شد

یعنی جو کچھ دنیا میں فتنے اور فساد اور جنگ و جدال اور شور و غوغا ہے وہ انسان ہی کے دم سے ہے اگر حضرت انسان نہ ہوتے تو تمام عالم میں سناٹا ہوتا۔

قضا از ذوقِ معنی شیرہ میریخت در جانہا — نے از لاے پالائش چکید و آبِ حیوان شد

لائے بالا صافی کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

جلوہ اے داغ کہ ذوقِ نمک مے خیزد — مژدہ اے درد کہ ننگم ز دوا مے آید

یعنی اے داغ اب تیرے ظاہر ہونے کا وقت آگیا کیونکہ نمک جو تیرے طول پکڑنے اور ترقی